ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

پاک و ہند کے فنِ تعمیر پر ایران و توران کا اثر

[زیرِ نظر مقالے کی پہلی قسط گزشتہ شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ اگلے شمارے میں تیسری قسط شائع ہونے پر مقالہ مکمل ہوگا۔ مدیر]

۴

دہلی میں مقبرہ ہمایوں عہد مغلیہ کی اولین عمارت شمار ہوتا ہے۔ بعض نقادوں کا خیال ہے کہ تاج محل اس کے نقشے پر بنایا گیا تھا۔ یہ مقبرہ ہمایوں کی بیوہ حمیدہ بانو بیگم یعنی حاجی بیگم نے تعمیر کرایا تھا۔ عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے مرزا میرک غیاث کو خاص طور پر ایران سے اس کی تعمیر کے لیے بلایا گیا تھا۔ یہ عمارت کئی لحاظ سے خاصی اہم ہے۔ اول اس لیے کہ اس کا سطحی نقشہ ثمنِ بغدادی پر قائم کیا گیا ہے۔ اس سے قبل سطحی نقشے والی کسی عمارت کا سراغ برصغیر پاک و ہند میں نہیں ملتا۔ دوم اس اعتبار سے کہ اس پر جو نقش و نگار ہیں وہ بھی الگ نوعیت کے ہیں۔ اس کی اہمیت کا تیسرا سبب مرکزی گنبد کی ساخت ہے۔ یہ گنبد دوہرا ہے۔

ماثر رحیمی (جلد ۲، صفحہ ۶۱۰) میں عبدالرحیم خانخاناں کی عمارات آگرہ، دہلی، لاہور و دیگر مقامات کا ذکر ملتا ہے۔ ان عمارتوں کا ایک معمار استاد ھروی تھا۔ عمارتوں کی تعریف مولانا وحشی یزدی نے یوں کی ہے۔

بنای برسر آب ار نہادی
اساسش تا قیامت ایستادی
اگر بام فلک کردی گِل اندود
سرانگشتش نگشتی باگِل آلود

استاد ہروی فرماں روائے ایران سے فرار ہو کر برعظیم میں آیا تھا۔ اس چابک دست ماہرِ فن کو عمارات پادشاہان ایران، عراق و خراسان کا خوب تجربہ تھا۔ چنانچہ اس مہارت کا ثبوت اس نے یہاں کی عمارتوں میں بھی دیا۔

دہلی میں عبدالرحیم خانخاناں نے اپنی بیوی کے روضہ کا انتظام کیا۔ یہ خاتون مرزا عزیز کوکہ "خان اعظم" کی ہمشیرہ تھی۔ غالباً اسی اُستاد ہروی نے اس روضے کو تعمیر کیا تھا۔ یہ عمارت دہلی میں روضۂ ہمایوں کے بالکل قریب ہے۔ عمارت کا اہم پہلو دوہرا بلب نما گنبد اور اصل قبر کے لیے زیرِ زمین سردابہ ہے۔ گنبد کے گرد چار برجیاں ہیں۔ پروفیسر کریسویل کے قول کے مطابق تاج محل کی عمارت اسی روضے کے نمونے پر تعمیر ہوئی ہے۔ عبدالرحیم خانخاناں کی بناء کردہ عمارات کے متعلق ماثر رحیمی میں تفصیل ملتی ہے۔ اسی کتاب میں ان عمارات کے بارے میں مولانا وحشی یزدی کے اشعار بھی ملتے ہیں جو اس نے لاہور میں تعمیر پر کہے تھے۔

چوں ایوان فلک عالی بنای

خورنق پیش آں بی طرح جای

ماثر رحیمی میں لاہوری عمارت کو "سرائے و باغ دھکدہ" وغیرہ لکھا ہے۔ بقول صاحب ماثر رحیمی یہ مکانِ شریف و باغ لطیف نزولِ مسافراں کے لیے وقف تھا۔ ایرانی و تورانی اثرات کے سلسلے میں یہ عرض کرنا بے موقع نہ ہوگا کہ مجھے نہر لیاقت کے کنارے سائفن کے قریب گاؤں بنام بھینی ڈھلواں کے قبرستان میں ایک قدیم اور شاندار محراب ملی جس کے بارے میں میرا قیاس ہے کہ یہ خانخاناں کی عمارات میں سے ہے۔ ٹوٹی پھوٹی حالت میں ہے۔ میں نے اسے ۲۰ فروری ۱۹۶۹ء کو دیکھا۔ اس کے ماتھے کی بڑی کمان کے نیچے اندر کی طرف خطِ نستعلیق میں چند قطعات میں اشعار بھی مرقع صورت میں لکھے ہیں، خاص کر مصرع ذیل ہے۔

برما گزر نہ ہیچ کس نشناسد

یہ مصرع میرے ذہن میں رہا۔ اس کے فوراً بعد ہی مجھے ہرات (افغانستان) جانے کا اتفاق ہوا۔ ہرات میں حضرت عبداللہ انصاری کا مزار ہے جسے عام طور پر "گازرگاہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے، وہاں بے شمار قبور اور قدیم عہد اسلامی کی کئی اعلیٰ عمارات بھی ہیں۔ ان میں ایک عمارت اپنے حسن اور اعلیٰ نقش و نگار کی وجہ سے "زرنگار" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ عمارت چوکور سطح پر ہے، اس کا گنبد شاندار ہے اور اندر دیواروں سے جہاں گنبد شروع ہوتا ہے، حلقہ نما حاشیہ سا بنا ہوا ہے۔ وہاں پر ایسے ہی قطعات پائے جس طرح کے میں نے اوپر لاہور کی عمارات میں دیکھے تھے۔ ان قطعات میں سے ایک میں وہی مندرجہ بالا مصرع اسی طرح کے رنگ اور اسی طرز کے نقش میں لکھا ہوا تھا۔ اس سے میرا تجسس

بڑھا۔ میں نے احتیاط سے ہرات کے مقبرۂ زرنگار اور لاہور کی محراب کی ساخت کا تجزیہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان کا معمار بھی وہی استاد ہروی ہے جو اپنے ملک ہرات سے بھاگ کر یہاں آیا تھا۔ اس نے یہاں آکر عبدالرحیم خانخاناں کے ہاں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جب یہاں عمارتیں بنائیں تو ضرورت کے اعتبار سے وہی جملے جو اس نے ہرات میں لکھے تھے اور وہی نقش و نگار جو وہاں بنائے تھے، یہاں بھی استعمال کر دیے۔

ابتدائی مغل تعمیرات میں دہلی میں ادھم خان بن ماہم انگہ اور شمس الدین آتکہ خان کے مقبروں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ شمس الدین آتکہ خان کا باپ میر یار محمد، غزنی کا بادشاہ تھا۔ یہ شخص عہد ہمایوں بادشاہ میں ہندوستان میں آکر شاہزادہ کامران کے ہاں ملازم ہوا اور شیر شاہ سوری کے خلاف اس نے ہمایوں کا ساتھ دیا۔ ہمایوں نے اکبر کی ولادت کے قریب شمس الدین محمود کی زوجہ کو مریم مکانی حمیدہ بانو بیگم کی دایہ کی خدمت انجام دینے کے لیے مقرر کیا۔ نو مولود اکبر کو پیدائش ہی کے وقت شمس الدین کی زوجہ کی گود میں دے دیا گیا تھا اور اسی نسبت سے شمس الدین محمود، خود بخود آتکہ، یعنی رضاعی باپ شمار ہوا۔ ہمایوں نے شمس الدین آتکہ کو قندھار میں شہزادہ اکبر کی خدمت کے لیے چھوڑا تھا۔ اسی شمس الدین نے بیرم خان کو شکست دینے میں خاص کردار ادا کیا تھا۔

ادھم خان، ماہم انگہ کا چھوٹا لڑکا تھا۔ یہ خاتون وکیل السلطنت تصور کی جاتی تھی۔ ادھم خان غرور اور زعم میں اپنی والدہ کی وجہ سے سرشار تھا۔ اس نے امراء کے اکسانے پر شمس الدین آتکہ کو خنجر نکال کر قتل کر دیا۔ اکبر کو خبر ہوئی تو اس نے محل سرا کی دیوار سے حالات دریافت کیے اور غصہ میں تلوار لے کر ایوان کے اندر آگیا۔ ادھم کو خطاب کیا کہ کتیا کے بچے تُو نے میرے "آتکہ" (رضاعی باپ) کو کیوں قتل کیا؟ اکبر کے حکم سے ادھم خان کو محل کی دیوار سے نیچے اوندھا کر کے پھینک دیا گیا۔ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ رمضان ۹۶۹ھ کا واقعہ ہے۔ دونوں امیروں کی لاشوں کو ایک ہی وقت دہلی روانہ کیا گیا تو دہلی ہی میں ان کے مقبرے تعمیر ہوئے۔ شمس الدین آتکہ خان کا مقبرہ دہلی میں نظام الدین اولیاء کے احاطہ میں مربع سطح پر بنا ہے، دوسرا مقبرہ ادھم خان سطح زمین سے کسی قدر بلند مثمن سطح پر قائم ہے۔ یہ عمارت اپنی عظمت اور بھوسلے پتھر اور مسالے کی تعمیر کی وجہ سے ہر آنے والے کو اپنی طرف منعطف کرتی ہے۔ اس کے مقابلے میں آتکہ خان کا مقبرہ گچ کاری اور سنگ تراشی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کا گنبد بالکل ہمایوں کے مقبرے کا سا ہے، اگرچہ سائز اس سے خاصا چھوٹا ہے۔ ادھم خان کے مقبرہ پر کوئی تحریر نہیں ہے مگر اس کے برعکس آتکہ خان کے مقبرہ پر سنگ مرمر کے اوپر بہت سے عربی اشعار لکھے ہیں۔ ان عبارتوں کا کاتب "باقی محمد الکاتب البخاری" تھا۔ اس کاتب کا ذکر ترکی "مناقب ہنروراں" میں ملتا ہے۔ عمارت کے دروازہ پر طویل سنگ مرمر کی سل پر خط ثلث میں کتبۂ ذیل ہے۔

تمت ھذہ العمارۃ الشریفۃ فی سنۃ اربع وسبعین وتسعمایۃ باھتمام استاد فدا قلی

یاد رہے کہ استاد فدا قلی غزنہ کے مقبرے کی تعمیر کے لیے آیا تھا۔ اس سے عبارت کی ایرانی وضع کا بخوبی قیاس ہوسکتا ہے۔

شیر شاہ سوری اور اس کے جانشینوں کا عہد اگرچہ بہت مختصر ہے، تاہم انہوں نے جو کارنامے تمدن و ثقافت کے ضمن میں چھوڑے ہیں، بہت ہی عجیب و غریب اور قابل توجہ ہیں اور محققین نے ان کے تعمیری کارناموں کو بہت اہمیت دی ہے۔ خاص کر شیر شاہ کی تعمیر کردہ مساجد، قطعے اور مقبرے اہم ہیں۔ اس نے سہسرام میں اپنے باپ حسن سور کا مقبرہ تعمیر کیا تو اس کے گنبد کو ایک خاص ارتفاع تک پہنچا دیا۔ اسی طرح اس کا اپنا روضہ شاہ آباد سہسرام میں ہے جو فنِ تعمیر کا اچھا نمونہ ہے۔ پرسی براؤن نے اپنی کتاب "فنِ تعمیر: اسلامی ہندوستان میں" میں اس دور کے ایک ماہر تعمیر کار "علی وال" کا نام تاریخ خان جہان لودھی از نعمت اللہ کے حوالے سے دیا ہے۔ (صفحہ ۹۰) یہی شخص حسن سور کے مقبرہ کا معمار تھا۔

اس کے بعد اکبر کا عہد آتا ہے۔ جس کا مختصر سا ذکر ہم نے پہلے دو مقبروں شمس الدین آتکہ اور ادھم خان کے تحت کیا ہے۔ اکبری عمارتوں کی نمایاں خصوصیت سنگِ سرخ کا استعمال ہے۔ فتح پور سیکری کی عمارتیں خاص طور پر اس دور کے فنِ تعمیر کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان میں بھی ایران و توران کے اثرات بہت واضح ہیں۔ خصوصاً جامع مسجد، اس کا صحن اور صحن میں روضۂ حضرت شیخ سلیم چشتی ایرانی و تورانی اثرات کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ جامع مسجد کی تعمیر میں خاص فنی چابک دستی کا ثبوت دیا گیا ہے۔ مسجد کے دو دروازے ہیں، ایک جنوب کی طرف جسے عام طور پر بلند دروازہ کہتے ہیں اور دوسرا مشرق کی طرف جو چھوٹا ہے مگر کم استعمال ہوتا ہے۔ اس دروازے کا اصل پلین تمام تاریخ فنِ تعمیر میں منفرد ہے۔ یہ مسدّس (یعنی چھ مساوی الاضلاع) پر مبنی ہے۔ اس طرز کی کوئی دوسری مثال ملنا مشکل ہے۔ تاہم سلجوقیوں کے ہاں بعض ایسی عمارتیں ہیں جو مجموعی حیثیت سے اس پلین سے کسی قدر مناسبت رکھتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ابتدائی عہد مغلیہ کی بعض عمارتیں ایسی ہیں جو براہ راست ایران و توران کی عمارتوں سے متاثر ہیں۔ اس مشابہت ہی کی بنا پر ان عمارتوں کو بعض محققین نے قبل عہد مغلیہ کی قرار دیا ہے۔ جہانگیر کے عہد میں جو عمارات ظہور میں آئیں وہ زیادہ تر کشمیر میں بصورت باغات ہیں۔ شہزادہ خرّم (بعد میں شاہ جہاں) کے زیر نگرانی تعمیر ہوئی ہیں۔ ان میں ایرانی و تورانی اثر بہت گہرا ہے۔ اس اثر کی شدّت کا سبب شاید یہ ہے کہ کشمیر کا جغرافیائی تعلق وسط ایشیا سے زیادہ ہے۔

شاہجہاں ۱۰۳۷ھ میں تخت نشین ہوا اور اسے فنِ تعمیر سے خاص لگاؤ تھا۔ زمانۂ شہزادگی میں اس نے کابل میں عمارتیں بنوائیں جن میں وسط ایشیائی روایات پیش نظر تھیں۔ اس نے تخت نشینی کے بعد ان روایات کو اور بھی زیادہ مقبول بنایا۔ اس کی اہم ترین عمارتوں میں تاج محل آگرہ ہے۔ جہاں اس

کی بیگم ممتاز محل کا مقبرہ ہے۔ ممتاز محل کا انتقال ۱۰۴۰ھ میں برہان پور میں ہوا۔ روضہ کے لیے آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے انتظام کیا گیا۔ روضے کی تعمیر کا آغاز ۱۰۴۱ھ میں ہوا۔ بادشاہ نامہ ملا عبدالحمید اور عمل صالح ملا محمد صالح کمبو میں اس روضہ کی تفصیل درج ہے۔ اس سوال کا جواب کہ عمارت کا معمار کون تھا، تاریخوں سے مل جاتا ہے۔

خرچ تمامی عمارت کہ از دوازدہ سال بسرِ کاری مکرمت خان و میر عبدالکریم صورت تمامیت پذیرفتہ

۱۔ مکرمت خان کا اصل نام ملا مرشد شیرازی المخاطب بہ مکرمت خان تھا۔ یہ شخص جہانگیر کے عہد میں شیراز سے آیا تھا۔ فنِ تعمیر میں ماہر تھا، عہد شاہجہانی میں ابتداء میں خدمت دیوانی بیوتات اور منصب ہزاری و دو صد سوار سے مشرّف ہوا۔ روضہ تاج محل کی تعمیری دیکھ بھال اس کے ذمے ہوئی۔ اس نے میر عبدالکریم سے پورا تعاون کیا۔ اسی دوران میں شاہجہان نے ۱۰۴۸ھ میں شاہجہان آباد دہلی کی بنیاد رکھی تو یہ کام بھی اسی کے سپرد ہوا۔ دہلی کے باہر اس نے ایک مسجد تعمیر کرائی جس کے کتبہ میں اس کا نام ہے۔ یہ مسجد ۱۰۵۵ھ میں تعمیر ہوئی۔ مسجد نظام الدین اولیاء کے مشرقی دروازے کی جانب ہے۔ اس کا انتقال ۲۳ جلوس شاہجہان میں ہوا۔

۲۔ میر عبدالکریم، جہانگیر کے زمانے ہی سے ماہر تعمیر کار مشہور تھا۔ جہانگیر نے توزک میں اس کا ذکر بحیثیت اعلیٰ مہندس کیا ہے۔ عہدِ جہانگیری میں سر ٹامس رو کی آمد سے پیشتر جہانگیر نے اسے مانڈو (مالوہ) کی عمارتوں کی مرمت کے لیے ارسال کیا۔ اس واقعے کی پوری تفصیل توزک میں درج ہے۔ جب قلعہ لاہور میں جہانگیر نے عمارتیں بنوائیں تو اسی شخص نے یہاں بھی اپنے کمالِ فن کا سکّہ بٹھایا۔ اس وقت اسے "معمور خان" کا خطاب ملا۔ جب شاہجہان کا زمانہ آیا تو یہ شخص لاہور کے قلعہ میں کام کر رہا تھا۔ اس ماہر تعمیرات کا نام آج بھی دروازۂ شاہجہان (۱۰۴۱ھ) قلعہ لاہور کے ماتھے پر ثبت ہے۔

بادشاہ نامہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب آگرہ میں تعمیر روضہ ممتاز محل کا آغاز ہوا تو اسے لاہور سے آگرہ تبدیل کر دیا گیا تھا۔

میر عبدالکریم بخدمت داروغگی عمارات دارالخلافہ سر بلندی یافتہ یعنی تعمیر روضہ ممتاز محل کے اہتمام کے لیے یہ تبادلہ ہوا تھا۔

تاج محل آگرہ کی عمارت پر آیاتِ قرآنی و دیگر کتبات نہایت اعلیٰ خطِ ثلث و نسخ میں لکھے ہیں جن کو مشہور کاتب عبدالحق الملقب بہ امانت خان شیرازی نے لکھا۔

عبدالحق افضل خان کا حقیقی بھائی تھا۔ افضل خان عہد شاہ جہانی کی ابتدا میں مختار کل تھا۔ عبدالحق

کی اہمیت اس سے بھی ہے کہ اس نے آگرہ میں روضۂ اکبر کے تمام کتبات لکھے تھے۔ ان کتبات میں اس کا نام "عبدالحق بن محمد قاسم شیرازی" لکھا ہے۔ جب شاہ جہاں نے تاج محل کی تعمیر شروع کی تو کتبہ نویسی کے لیے اس کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اسے اس وقت امانت خان کا خطاب مل چکا تھا۔ اندرون گنبد تاج محل یہی خطاب درج ہے۔ تاج محل کی تعمیر کے بعد عبدالحق بادشاہ سے عرض کر کے خدمت سے سبکدوش ہو گیا تو فرماں روا نے اسے موجودہ علاقہ امرتسر بطور جاگیر عطا کر دیا جہاں اس نے سکونت اختیار کر لی۔ امرتسر میں اس نے ایک سرائے بھی تعمیر کی جو آج بھی "سرائے امانت خان" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ عمارت کاشی کاری سے مزیّن ہے اور شیرازی ماحول کی یاد دلاتی ہے۔

شاہجہاں نے ۱۰۴۸ھ میں شاہجہاں آباد کی عمارات کی ابتداء کی تو اس دور کے دو بڑے معماروں استاد احمد اور استاد حامد سے مدد لی۔ یہ معمار بھی روایات ایران کے ماہر تھے۔ یہی استاد احمد اور حامد تاج محل آگرہ کے معمار کہے جاتے ہیں۔ لیکن اگر ان کا تعلق تاج محل کی تعمیر سے ہوتا تو اس کا ذکر معاصر تواریخ میں ضرور ملتا۔ میرے نزدیک شاہجہاں خود تاج محل کا نگران اعلیٰ اور مجوز و منصرم تھا۔ تاج کا موجود، پلین خود شاہجہاں کا تجویز کردہ ہے۔ استاد احمد کے خاندان کے فرد لطف اللہ مہندس نے اگرچہ اپنی ایک مثنوی میں یہ دعویٰ کیا کہ اس کے باپ احمد معمار شاہجہانی نے تاج کو بنایا تھا مگر کوئی اور شہادت اس کی تائید نہیں کرتی۔ اس لیے مجھے اس کو قبول کرنے میں تأمل ہے۔